ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

ڈاکٹر طاہر عباس طیب، استاد، شعبہ اردو، جی سی ویمن یونیورسٹی، سیالکوٹ
زیبا گلزار، استاد، شعبہ اردو، گورنمنٹ ایسوسی ایٹ کالج سمبڑیال، سیالکوٹ

افتخار عارف کی غزلوں میں کربلا بطور عصری استعارہ

Karbala as a contemporary metaphor in Iftikhar Arif's Ghazals

Dr.Tahir Tayyab, Urdu Department, GCWUS.

Zeba Gulzar, Urdu Department, Govt.Associate College, Sambrial, Sialkot.

Abstract

Poetry is one of the most popular of all genres of Urdu Literature. However, post Karbala, eulogy in Urdu Literature has been confined to the names and sacrifices of Hazrat Imam Hussain and his companions. In which the poetry of Iftikhar Arif has been taken as the primary source for highlighting the contemporary sensitivity and resistive literature. He takes Pakistani politics a ripe enough reason for the genres continuation. In his poetry, making use of linguistic aestheticism. He establishes Karbala as a metaphor in his works, keeping in view the region's civilization and past. He reflects on the metaphor of Karbala in his era, with his own diction and classical patterns, astonishing the readers on every step. In the poetry of Karbala, he gives the primary value to contemporary issues and resistive tendencies of Urdu literature. He remains the only name who has worked on metaphoric vastness of Karbala. His poetry redeems Islamic characters along with old civilization and the ages past. His works establish Karbala as a global symbol and metaphor for atrocities. Along with symbolism and metaphor Iftikhar Arif's work distinguishes itself via his method. Along with their popularity among literary community owing to their craft, his personality is popular among the masses. The shared tendency of Karbala as a metaphor rings clear notes in the works of him.

سانحہ کربلا حق و باطل کا وہ معرکہ، جو نظریاتی طور پر دو نظام ہائے فکر و نظر کے مابین واضح فرق کا نام ہے۔ امیر معاویہ کی وفات کے بعد یزید کی تخت نشینی ہوئی تو اس نے حضرت امام حسینؓ اور ان کے پیروکاروں کو بیعت پر آمادہ کرنے کی بھرپور کوششیں کیں لیکن نواسۂ رسول ﷺ نے باطل کے سامنے جھکنے کے بجائے کربلا کے میدان میں تمام صعبتوں کا مقابلہ کرتے ہوئے بڑی جواں مردی سے اپنی اور اپنے اہلِ خانہ کی جان کا نذرانہ پیش کیا۔ یوں حق نے فاتح و مفتوح کا معیار ہی بدل دیا۔ یزید جیت کر بھی رسوا ہوا

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

اور حضرت امام حسینؓ عزم، ہمت، حق گوئی، سچائی، شجاعت، غیرت، حمیت، جواں مردی اور ثابت قدمی کی عملی مثال بن کر تمام انسانیت کے لیے مینارۂ نور بن گئے۔

استعارہ، مجاز کی ایک صورت ہے جو لغوی و حقیقی معنی کے بجائے مجازی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ یہ شعور کی سطح یا اظہار کا وہ وسیلہ ہے جس میں فنکار مجرد، غیر منتظم اشیاء، اجزاء، خیالات وغیرہ کو اپنی تخیلی و تخلیقی قوت سے منظم و مربوط کرتا ہے۔ یہ ایک ایسا میڈیم ہے جو فنکار کا مؤثر آلہ ہے۔ اگر دیکھا جائے تو زندگی بھی ایک استعارہ ہے، جو غیر واضح، مبہم اور دوہری معنویت کی حامل ہے۔ گویا یہ رومانی احساس زندگی کو نیا مفہوم عطا کرتے ہوئے شاعری کا ایک ناگزیز جزو بن جاتا ہے۔ یہ محض شعری آرائش و صنّاعی کا سامان نہیں ہے بلکہ گہرے فلسفیانہ شعور و فکر کا نام ہے۔ شاعر اپنے عصری زمانے، ماحول یا عہد کے فکری تقاضوں اور گرد و پیش کی صورتحال کو موزوں اسلوب سے اپنی تخلیق کے ذریعے پیش کرتا ہے۔ یوں شاعری اپنے معاصر حالات کا آئینہ پیش کرتے ہوئے، تمام اشیاء و عناصر کا فکری سطح پر ادراک کرتی ہے۔ یہی چیز دراصل عصری حسیّت ہے۔ پروفیسر لطف الرحمن کہتے ہیں:

> "ہر عہد کے اپنے کچھ تقاضے ہوتے ہیں، اپنا رجحان و میلان، اپنا مزاج و کردار ہوتا ہے۔ اپنی خصوصیتیں اور قدریں ہوتی ہیں۔ جن کے تحت اس عہد کا فکر و احساس ابھرتا ہے۔ جس کو مجموعی طور پر عصری حسیّت کہتے ہیں۔"(۱)

گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ شاعری میں جہاں نئے علائم و رموز اور لفظیات کا اضافہ ہوا، وہیں کربلا اور اس کے متعلقات سے نئے استعارات و علامات کو بھی شاعری میں داخل کر دیا گیا۔ یوں کربلا اہم استعارے اور علامت کے طور پر ابھرا، جس نے اپنے عصری مسائل و حقائق کے کرب کو بے نقاب کرنے کو شش کی اور یہ رجحان خاموشی سے ہمارے ادب میں سرائیت کر گیا، کیونکہ علامت و استعارہ کی انفرادیت یہ بھی ہے کہ یک لخت قاری کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔ ڈاکٹر نجمہ رحمانی کہتی ہیں:

> "کربلا سے متعلق علامتیں ہمارے غزل گویوں کے یہاں کسی شعوری کوشش کا نتیجہ نہیں بلکہ انفرادی تجربات اور ان سے پیدا ہونے والے احساسِ کرب کی ترجمان ہیں اس لئے ان علامتوں میں بے پناہ اُدا سی، تنہائی میں ہونے والی خود کلامی کی کیفیت ہے۔"(۲)

ہر عہد میں ادب کا مزاج اور تقاضے وقت و حالات کے ساتھ، اس کا طرزِ استعمال بھی بدل جاتا ہے۔ اس طرح ادب نئے الفاظ و رجحانات کو اپنے اندر سمو لیتا ہے۔ برصغیر کی تقسیم کے بعد جو موضوع شعراء کے لیے مرکزِ نگاہ بنے، وہ تقسیم و ہجرت کا سانحہ تھا لیکن کربلا کے تخلیقی و استعاراتی رجحان کو عروج ساٹھ کی دہائی میں ملا، جب ادب میں علامت اور استعارے کے تحت نت نئے تجربات پیش کیے گئے۔ انہی میں ایک استعارہ کربلا کا بھی ہے، جسے شعراء نے اپنے عصری جبر، استحصال اور ظلم و ستم کے ساتھ

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

جوڑنے کی کوشش کی۔ یوں کربلا مضبوط استعارہ ثابت ہوا۔ کربلا کے متعلقات میں شمشیر، سناں، خیمہ، کوفہ، مقتل، لہو، تلوار، تیر، نیزہ، دار، فرات، پیاس، مشکیزہ، شامِ غریباں وغیرہ جیسے الفاظ سیاسی و سماجی تاریخ کو پیش کرتے ہیں۔

افتخار عارف جدید شاعری کا معتبر نام، وہ عصرِ حاضر کے منفرد اور نمایاں شاعر ہیں۔ ان کے بنیادی شعری موضوعات میں ہجرت کا دکھ، عصری آشوب، سیاسی و سماجی جبر کے خلاف احتجاج وردِ عمل پایا جاتا ہے۔ موضوعات منفرد اور انوکھے ہونے کے ساتھ ان کی پیش کش اور اسلوبِ ادا، الفاظ و تراکیب نے شاعری کو کمال مرتبے تک پہنچایا۔ ایسا سلجھا ہوا، تہذیب و شائستگی اور سنجیدگی سے معمور لہجہ جو معاصرین شعراء سے الگ تھلگ نظر آتا ہے۔ ان کی کہانی ایک ایسے شخص کی داستان ہے جو تنہائی، خوف، شکست اور منافقوں کے ٹولے میں کھڑا بے بسی کا نوحہ ہے جس کا ساتھ دینے کے دعوے دار تو بہت تھے، لیکن جب مدد کے لیے پکارا، تو کسی کا جواب نہیں آیا۔ یہ کربلائے عصر میں تنہا کھڑے شخص کی کسمپرسی کی داستان ہے۔ اس کی اساس میں پنہاں فکری شعور سے شاعر اپنے عہد کے اس کرب کو سامنے لاتا ہے، جس سے ہر دوسرا شخص متاثر ہے۔ وہ فکری و ادبی سچائی کی راہ میں آئیڈیلزم اور عینیت کو رکاوٹ نہیں بننے دیتے بلکہ اسی دنیا کی سیر کراتے ہوئے سادگی اور حقیقت نگاری سے کام لیتے ہیں۔

صدا لگائی تو پُرسانِ حال کوئی نہ تھا　　گمان تھا کہ ہر اِک شخص ہم نوا ہو گا(۳)

افتخار عارف کی شاعری کا بنیادی اور مرکزی حوالہ کربلا کے متعلقات و انسلاکات اظہار ہے۔ وہ ایسے علامت و استعارے میں پروتے ہیں کہ برسوں پرانا سانحہ عصری تناظر میں دیکھا جا سکتا ہے۔ فیض احمد فیض لکھتے ہیں:

> "اس میں اعترفِ شکست زیادہ ہے دعوت ہل من مبازر کم، انفعال زیادہ ہے، اشتعال کم، حزن و یاس کی پرچھائیاں زیادہ ہیں، امید و رجاء کی جھلکیاں کم ہیں۔ دکھوں کی نشاندہی کی ہے، چارہ گری کا نسخہ نہیں بتلایا۔ تاہم اس سے انکار ممکن نہیں کہ تصویر کا یہ رُخ بھی حقیقتِ حال کا ہی ایک رخ ہے اور اس کا بیان بجائے خود احتجاج کا لہجہ ہے۔"(۴)

افتخار عارف کی غزلوں میں استعارۂ کربلا ابتداء ہی سے کارفرما رہا۔ انھوں نے ژرف نگاہی سے استعارے کی بھی متنوع جہات کریدنے کی کوشش کی۔ ان کی شاعری میں کربلائی استعارہ شروع سے لے کر آخر تک موجود رہتا ہے، جس میں معنویت و حسیت کے ساتھ کہیں واضح احتجاج و مزاحمتی رویہ اپنا کر ظالموں، سرکشوں اور ستم کوشوں کو یہ باور کراتے ہیں کہ جس طرح ہمارے آباؤ اجداد نے باطل کے روبرو سر نہیں جھکایا، ہم بھی انہی کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے بہادری کا مظاہرہ کریں گے۔

اب بھی توہینِ اطاعت نہیں ہو گی ہم سے　　دل نہیں ہو گا تو بیعت نہیں ہو گی ہم سے(۵)

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

افتخار عارف اپنی عصری حقیقتوں کو کربلا کے تناظر میں پیش کرتے ہوئے، عام زندگی کے مسائل کا حل بھی تلاش کرنے کوشش کرتے ہیں۔یہی خصوصیات انھیں معاصرین میں ممتاز کرتی ہیں۔کربلا کا استعارہ ہر دور اور جبر و سیاسی آشوب میں ،صبر ،ایثار، ہمت، حریت اور آزادی کا پیامبر رہا۔اس لیے انھوں نے اسے اپنے فکری نظام کا مستقل حصہ بنایا۔انھوں نے اپنے عہد کے معاشی، معاشرتی، تہذیبی، ثقافتی، سیاسی و تاریخی عوامل کو اپنی تخلیقات میں پیش کیاہے۔جو حالات وواقعات اور معاشرتی مسائل در پیش ہیں، وہ انھیں عصری حقیقتوں کے ضمن میں پیش کرتے ہیں۔انھوں نے قدیم شعری روایت سے استفادہ کرتے ہوئے اپنا منفرد اسلوب بھی نکالا۔کلاسیکی لفظیات سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔افتخار عارف بڑھتی ہوئی بے رخی، تلخیاں،انسانی شکست وریخت،اس میں نہتا کھڑا تنہا آدمی دیکھتے ہیں تو ان کی نظر کربلا میں کھڑے حضرت امام حسینؓ اور ان کے بے یارو مددگار ساتھیوں پر جاٹھہرتی ہے۔یہ واقعہ، ان لفظیات،علامات اور استعاروں کو معاصر معنویت میں برتنے کا فن ہے۔افتخار عارف کی شاعری میں یہ استعارہ وحوالہ اہم رہا،"مہرِ دو نیم" سے لے کر "باغِ گلِ سرخ" تک مسلسل ایک روحانی کیفیت ملتی ہے۔انھوں نے شعوری طور پر استعارے کو کربلا کا معتبر حوالہ بنایا۔وہ اس میں چھپی علامات کو گہری معنویت و دوہرے پن کے ساتھ پرکھ کر شعری اظہار عطا کرتے ہیں۔بقول انیس اشفاق:

> "افتخار عارف کی شاعری میں کربلا اور اس کے متعلقات اس کثرت سے استعمال ہوئے ہیں کہ اس واقعے نے افتخار عارف کی شاعری میں حاوی عنصر کی حیثیت حاصل کرلی ہے۔"(٦)

افتخار عارف نے اپنی شاعری میں کربلا کا جو حوالہ برتا، اس میں "پیاس، دشت، وحشت، مشکیزہ، رَن، گھمسان، چراغ، لو، ہوا، موجِ خوں ، تیر ، تیغ ، دریا ،فرات، نیزہ ،سر، سپاہ، لشکر، مقتل، زنجیر، ڈھالیں، شام، کوفہ، سناں، قاتل، خنجر، خیمہ، مدینہ، کربلا، شب، کمان، لہو، طناب، سر بریدہ، پرندہ، شجر، بال وپر، شبِ خون، آندھیاں، ظلمتیں، نشتر، شمشیر، سیلِ بلا، فسادِ خون" وغیرہ کے علاوہ بھی کئی الفاظ اسی سانحہ کی جانب اشارہ کرتے ہیں۔ان تمام الفاظ کو شاعر نے قدیم معنی کے بجائے جدید زمانے اور ماحول کے تناظر میں پیش کرکے نئی معنویت عطا کی۔یہ استعارات و علامات ہمارے ماحول کے ترجمان ہیں۔افتخار عارف کو اپنے سماج اور اُمتِ مسلمہ کی حالتِ زار کے بیان میں استعارہ کی اہمیت کا ادراک ہے۔وہ اسے محض مذہبی یا تاریخی و تہذیبی نگاہ سے نہیں دیکھتے بلکہ آفاقی نوعیت پر پرکھتے ہیں جس سے وہ معاصر صورت کی عکاسی کرکے اگلا مرحلہ مزاحمت کا طے کرتے ہیں۔عصری شعور وحسیت کے ضمن میں اپنے عہد کی المناکیوں اور آشوبیت سے اکتائے ہوئے پھر شاعر کو مردِ مجاہد کا انتظار ہے جو اس ظلم وجبر کی کہر کا خاتمہ کرے اور لوگوں کو حق، سچ اور زندگی کو ایک نئی رمق سے بہرہ ور کرے۔

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

وُہ آفتاب بھیج جس کی شعاعیں ابد تلک　　　میں دادخواہِ اجر ہوں جزائے انتظار دے(۷)

افتخار عارف کی غزلوں میں کربلا کے استعارے اور معنویت پائی جاتی ہے۔انھوں نے کربلا اور عصری معاصر صورت حال کو منسلک کیا۔ان کے غزلیہ اشعار میں ایک ایک لفظ اور فقرہ سانحہ کربلا پر دلالت ہے لیکن اس واقعے کی معنیات، انسلاکات و عصری ربط اسے لمحۂ موجود سے جوڑ دیتا ہے۔یہ کربلائی استعارے ہیں کہ پہلے بھی ہم پر یعنی ہمارے آباؤ اجداد پر سخت دن آتے رہے۔عوام سے جینے کا حق چھیننے والے بھی نئے نہیں یہ سلسلہ صدیوں پرانا ہے جب معرکہ ہوا تب بھی یہی کچھ ہوا اور اب بھی حق کہنے کے لیے جو سر اٹھاتا ہے اسے کچلنے کی پوری کوشش کی جاتی ہے۔عرصۂ دراز سے گزرے اس سانحے کی جزئیات و منظر شاعر کے ذہن میں بالکل تازہ ہے۔انھیں نکھارنے میں معاصر حالات کا بھی ہاتھ ہے جن میں آج بھی وہی جبریت، استبداد اور ظلم کا دور دورہ ہے۔وہ کمال مہارت سے اسے کربلائے عصر سے جوڑ دیتا ہے۔اس بازیافت کا مقصودِ خاطر ہی مشکلات و رکاوٹوں کے سامنے بہادری دکھانا ہے اور کل اثاثہ اُمید اور کتابِ حق ہی ہے۔

وُہی پیاس ہے وُہی دشت ہے وُہی گھرانا ہے　　　مشکیزے سے تیر کا رشتہ بہت پرانا ہے(۸)

غزل میں "ہوا" اور "چراغ" افتخار عارف کے دو اہم استعارے ہیں، "ہوا" مخالف قوتوں اور تخریب کی علامت ہے۔جب کہ "چراغ" روشنی اور حق و سچ کا استعارہ ہے۔ظلم و جبر کی اتنی صورتیں اور چہرے ایجاد ہو گئے ہیں کہ اس کے لیے ہوش مندی کا ہونا ضروری ہے۔وہ مشکل حالات کے باوجود نہ صرف دل کی آنکھ کھلی رکھتے ہیں بلکہ خارج کی دنیا پر بھی گہری نگاہ رہتی ہے۔

یہ تیرے میرے چراغوں کی ضد جہاں سے چلی　　　وہیں کہیں سے علاقہ ہوا کا لگتا ہے(۹)

کچھ اس طرح کے بھی چراغ شہر مصلحت میں تھے　　　بجھے پڑے ہیں خود ہوا سے ساز باز کر کے بھی(۱۰)

کربلا اور اس کے واقعات و متعلقات پر مشتمل تمام لفظیات، تلازمے اور علامت پیاس سے شہادت تک کا احاطہ کرتی ہیں۔واقعہ، منظر، جزئیات سب اس شعری کمال کا پتا دیتی ہیں جو شاعر کے تخیل کی پرواز ہے۔جو قارئین سے بھی پوشیدہ نہیں رہتا ہے۔
ہر وقوعہ علامتی تلازموں کی دنیا کے معنوی تلازموں سے مطابقت رکھتا ہے۔افتخار عارف، مہر و محبت اور اقدار کے علمبردار، ہونے کے باوجود مصلحت شناسی کے قائل نہیں۔"دمشقِ مصلحت اور کوفۂ نفاق" کی ترکیب و تلمیح سے تمام صورتِ حال کربلا سے وابستہ ہے۔اہلِ کوفہ کی مصلحت کوشی اس سانحے کا بڑا محرک تھی۔حقیقتاً وہ اپنے عہد کے مصلحت کوشوں کو اہلِ دمشق و کوفہ قرار دیتے ہیں جن کے لیے مظلوم کی داد و فریاد سے زیادہ اپنے مفادات کی وقعت ہے۔

دمشقِ مصلحت و کُوفۂ نفاق کے بیچ　　　فغانِ قافلۂ بے نوا کی قیمت کیا(۱۱)

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

لوگوں کا ذرا سا فائدہ دیکھ کر بدل جانا تو ان کی سرشت میں شامل ہے۔ طنزیہ اسلوب سے شاعر "سبک" سری پر نشتر زنی کر رہا ہے۔ ان اشعار سے معاصر خود غرضی اور منافقت کا بیان مقصود ہے کہ انسان اپنی شناخت کو بھی رہن رکھ دے تو مقامِ افسوس ہے۔

ملکِ عزّتِ سادتِ عشق دیکھ کے ہم　　بدل گئے تو بدلنے پہ اتنی حیرت کیا

فروغِ صنعتِ قد آوری کا موسم ہے　　سُبک ہوئے پہ بھی نکلا ہے قد و قامت کیا(۱۲)

افتخار عارف کی نگاہ ملکی سیاسی پالیسیوں، حکومتی کارندوں کی نقل و حرکت، ان کے جانشین و نام لیواؤں کی حرکات و سکنات پر مرکوز رہتی ہے۔ اُن کی شاعری میں بارہا سیاسی درباری پن کی مذمت کی گئی ہے جس میں زمانے کی اتنی ترقی کے باوجود ہماری رسم نہیں بدلی، اب بھی جو اہلِ قلم ظالم و جابر، نااہل حکمرانوں کے گن گاتے ہیں جیسے ہی قلم کا رخ موڑیں ساتھ ہی مشکلات آن گھیرتی ہیں ۔شاعر ان درباری قصیدہ گوؤں کو طنزیہ انداز میں اقدامات اور اصل فرائض یاد دلاتا ہے۔ جو ہر بُرے کو بس سب سے اچھا کہنے کے لیے تیار ہوتے ہیں۔ یہ ساری خوشامدیں مصلحتیں تب کربلا میں بھی تھیں اور اب تک بھی ہمارا پیچھا نہیں چھوڑا۔

سب کے سب اپنے کاندھوں سے غیروں کا سر جوڑنے میں لگے ہیں　　ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے یہاں کا خدا مختلف ہے(۱۳)

افتخار عارف کی خود احتسابی انہیں بار بار اپنی ذات کو طنز کا نشانہ بنانے پر اُکساتی ہے۔ وہ سر فروشی و معرکۂ جاں کے بلند بانگ مگر وقتی دعوؤں کے برعکس مصلحت و احتیاط کے گھن چکر میں پڑے افراد پر طنز کرتے اور انہیں احساس دلاتے ہیں۔ فتح محمد ملک کے نزدیک:

> "اوّل یہ کہ اس کے ہاں جان سپاری اور سر فروشی کے بلند بانگ مگر کھوکھلے ادّعا کی بجائے سلامتی جسم و جان کے لیے مفاہمت پسندی پر ندامت کا وہ جان سوز احساس کار فرما ہے جو خود احتسابی کی کٹھن راہ اپنانے کا ثمر ہے۔۔۔ اور دوم یہ کہ سرگزشتِ ملّت بیضا اس کے فکر و شعور کا سرچشمہ اور جذبہ و احساس کی جنم بھومی ہے۔"(۱۴)

یہ حقیقت ہے کہ وہ درباری نظامِ سیاست ختم نہیں ہوا بلکہ نیا لبادہ اوڑھ کر ظہور پذیر ہوا ہے۔ اب پہلے جیسے قصیدہ گو تو نہیں لیکن جمہوریت کی آڑ میں بادشاہت اور اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے والے سفارتی و سرکاری افسر ضرور موجود ہیں، جو اب بھی وہی کردار نبھا رہے ہیں اور انہیں اپنی حرمت یا ادبی منصب کا بالکل بھی پاس نہیں ہے۔

مٹی کی محبت میں ہم آشفتہ سروں نے　　وہ قرض اتارے ہیں کہ واجب بھی نہیں تھے(۱۵)

یہاں سب معنوی علامتیں اور استعارے جن کو افتخار عارف نے درد مندی سے بیان کیا ہے۔ وہ "آشفتہ سروں" کی انسانی وجود کی لایعبیت کا اظہار ہے۔ اس کی حرمت کرنے پر آیا تو اسے خدا بھی بنا دیا گیا اور انسانی تاریخ کے خون سے اسے تر کیا گیا۔ اگر دیکھا جائے تو افتخار عارف کے ہاں اپنے اسلاف و اجداد کے نقوش روشن دکھائی دیتے ہیں۔ ان کے غزلیہ اشعار میں طنزیہ اور احتجاجی لہجہ ہے، جو زندہ ضمیر کی علامت ہے۔ احتجاجی رویہ اختیار کرتے ہوئے حالات و واقعات پر بے لاگ تبصرہ ہے۔

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

بصیر ذہنوں کو بر سرِ عام آگہی کی سزا ملے گی   دیارِ درویش میں یہ فرمانِ آبِ زر بھی نیا نیا ہے(۱۶)

افتخار عارف کو کربلا اور اس کے تعلیقات سے اُنس ہے، اُن کی غزلوں میں بالواسطہ یا بلاواسطہ کربلا سے انسلاک نظر آتا ہے۔ ان کے ہاں بھرپور سیاسی اظہار ہے اور احتجاج اس امر پر کہ یہاں وعدہ تو سب کرتے ہیں مگر عملی طور پر کچھ نہیں ہوتا۔ بلکہ جیسے ہی اقتدار ہاتھ میں آتا ہے اپنے مفادات کی جنگ چھڑ جاتی ہے۔ پھر تمام دعوے فراموش کر دیتے ہیں۔ اور دوسرا یہ کربلا کی معنویت کا حامل ہے کہ کوفہ والوں نے اہلِ بیت کی آمد سے قبل وفا کا وعدہ تو کر لیا لیکن جب سامنے مشکلات کو دیکھا تو دعوے دھرے رہ گئے۔

یہ بستی جانی پہچانی بہت ہے   یہاں وعدوں کی ارزانی بہت ہے

سبک ظرفوں کے قابو میں نہیں لفظ   مگر شوقِ گل افشانی بہت ہے(۱۷)

یہ اتنا معنی خیز اور واضح طنز ہے، پھر ہم وعدوں کے جال میں پھنس بھی جاتے ہیں۔ ہم ان وعدہ کرنے والوں کے ڈھب اور ان کی زبان سے پوری طرح واقف ہیں جو صرف زبانی کلامی دعوے کرتے ہیں ان میں کسی قسم کی کوئی سچائی موجود نہیں ہے۔ افتخار عارف اپنے عصری کوفے کے وعدہ خواروں سے آگاہ ہیں۔ ان کے کئی غزلیہ اشعار سیاسی منظر نامہ سے ہوتے ہوئے، اپنا رشتہ کہیں نہ کہیں تاریخ سے جوڑ لیتے ہیں۔ جدید انسان اس کے مسائل، المیے، دکھ تکالیف، بے عملی افتخار عارف کے اہم شعری موضوعات ہیں۔ جدید مشینی و مادی زندگی اور اس کی یلغار کے زیرِ اثر انسان کے پاس اپنی اقدار، ان کے خاتمے، رشتوں کو دینے یا ان کے متعلق سوچنے کا وقت ہی نہیں ہے۔ ہر کوئی بس حرص و ہوس کے گھن چکر میں ہے مگر اندر سے سب خالی ہیں۔ اسی صورت میں شاعر بیدار مغز انسان ، جسے حالات اور اس کی وجوہات کا ادراک ہے اور وہ کئی بار استفہامیہ لہجہ اختیار کرتے ہیں۔ شیما مجید رقمطراز ہیں:

> "شاعری میں ان کے تخلیقی رویّے، ان کے فکری، سیاسی، اخلاقی اور گہرے سماجی شعور سے عبارت ہیں۔ ان کی شاعری ایک منفرد اسلوب لیے ہوئے ہے جسے ایک ایسی آواز کہا جا سکتا ہے جو دورِ حاضر کے دوسرے شعرا سے منفرد بھی ہے اور نئی جہت کی غماز بھی۔"(۱۸)

افتخار عارف نے بنا کسی مصلحت و مفاد کے حق اور سچ کا پرچار کیا۔ جب ہر طرف باطل کا دور دورہ ہو تو ایسی صورت میں ظالم کی ہاں میں ہاں ملانے والے ہی کامیاب ہے۔

طنابِ خیمۂ گُل کاٹ دی گئی جب   سو شکوہ کیا کہ سَر پر سائباں نہ " (۱۹)

یہاں لفظ "نہ" "استفہام انکاری کے استعمال سے اثباتی پہلو کو نمایاں کیا گیا ہے اور اسی عصری المیے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اب لوگ بدل گئے ہیں، ان میں جو اعلیٰ انسانی اقدار کی خصوصیات تھیں۔ اب سچ، حق اور صبر پر کوئی عزت و تکریم نہیں، بلکہ جو جتنا

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

جھوٹا، مکر فریبی اور چاپلوسی سے کام لے گا، وہ اتنا ہی معتبر اور محترم ٹھہرے گا۔ گویا حقائق بدلنے کی عادت سے حرف و معنی کی قدر جاتی رہتی ہے۔

سخنِ حق کو فضیلت نہیں ملنے والی   صبر پر دادِ شجاعت نہیں ملنے والی
ہوسِ لُقمۂ تر کھا گئی لہجے کا جلال   اب کسی حرف کو حرمت نہیں ملنے والی(۲۰)

افتخار عارف کی زندگی میں درد کی دولت کو سرمایۂ حیات کا درجہ حاصل ہے۔ یہ حزن و ملال لاحاصلی کے بجائے سب کچھ حاصل کر لینے کے بعد کا مرحلہ ہے۔ بقول مبین مرزا:

"افتخار عارف کے یہاں ملال اور محزونی کا یہ رنگ کسی نوع کی محرومی، ہجر، ناکامی یا پھر نا آسودگی کا پیدا کردہ نہیں ہے، بلکہ یہاں تو یہ کیفیت اس احساس کی زائیدہ ہے جو حاصل کے ، وصال کے اور آسودگی کے منتہٰی کو پہنچنے کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے۔"(۲۱)

خواب دیکھنا بھی نوعِ انسانی کی فطرت ہے، اور خواب افتخار عارف کا مضبوط استعارہ ہے۔ یہ ایک ایسے شخص کی روداد ہے جو اب بھی مطلب اور مفاد پرستوں میں زندگی بسر کرنے کے باوجود بہتری کے خواب دیکھتا ہے۔ بقول احمد ندیم قاسمی: "افتخار عارف کے خواب تو کھلی آنکھوں سے دیکھے جاتے ہیں۔"(۲۲)

ملے تو کیسے ملے منزلِ خزینۂ خواب   کہاں دمشقِ مقدّر کہاں مدینۂ خواب
سیاہ خانۂ خوف وہراس میں اک شخص   سنا رہا ہے مسلسل حدیثِ نہ ینۂ خواب(۲۳)

افتخار عارف کی شاعری میں روحانیت کا پہلو بھی ہے۔ وہ خدا سے اپنا رابطہ منقطع نہیں کرتے اور اُمید کا دیا ہمیشہ روشن رکھتے ہیں۔ وہ مصرفِ دعا اور خدا کی رحمت و مدد کے طلبگار ہیں۔ اور عصری حالات کی ابتری کے باوجود کسی معجزے یا مسیحا کی اُمید نہیں چھوڑتے۔

گنہگارانِ محبت کا خوابِ گم گشتہ   عجب نہیں شبِ ہلّہٗ گاں میں ظاہر ہو(۲۴)

"گنہگارانِ محبت" سے مراد کربلا کے محترم کردار ہیں جنہوں نے امن آشتی اور مساوات کا خواب دیکھا۔ اس کے اثرات آئندہ مستقبل میں ضرور ظاہر ہوں گے۔ اس طرح "خوف" کے لفظ سے معاصر احوال کو منعکس کرتے ہیں اور یہ علامت بن کر عصری حسیت سے لفظ و تراکیب کی وسیع کائنات ترتیب دیتے ہیں۔ وہ معاصر جبر سے تنگ آکر اپنے ملک کو مقتل قرار دیتا ہے جہاں ذرا سی بات پر جاں کے جانے کا دھڑکا لگا رہتا ہے۔

رحمتِ سیّدِ لولاک پہ کامل ایمان   اُمتِ سیّدِ لولاک سے خوف آتا ہے(۲۵)

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

افتخار کی شاعری ایک درد و انبوہ کی داستان ہے جو ان کی پوری شعری فضا میں موجزن رہتا ہے۔ لیکن انفرادیت یہ ہے کہ ان کا ذاتی غم والم بھی تمام کائنات کے درد و کرب کا علمبر دار ہے۔ جسے وہ سچائی اور سادگی سے بیان کرتے ہیں۔ بقول عبد العزیز ساحر:

"خوف، تنہائی اور کرب، افتخار عارف کی غزل کے کینوس کو عصری حسیّت اور سماجی شعور سے بھر
دیتے ہیں۔ خوف کی فضا نے ان کی غزل کے آہنگ کو حیرت سے مملو کر دیا ہے۔"(۲۶)

افتخار عارف نے استعارے، تراکیب زمینیں سب اپنی ایجاد کی ہیں جن سے وہ روشنی کشید کرتے ہیں۔ لفظ و معانی کی حرمت اور محبت کا پرچار کرتے رہے لیکن کبھی اپنے ضمیر اور قلم کو رہن نہیں رکھا۔ خودداری ان کے کردار و لفظیات دونوں سے عیاں ہوتی ہے۔ افتخار عارف کی شاعری، لفظیات، ڈکشن، بحریں، انداز و اسلوب کی تفہیم کے لیے صاحبِ علم ہونا شرط ہے۔ وہ ایک باشعور، منجھے ہوئے اور سنجیدہ مزاج و فکر کے شاعر ہیں جو منافقوں کی چالبازیوں اور مکاریوں سے آگاہ ہوتے ہوئے بھی انہیں موقع دیتے ہیں۔ وہ منافقت کے پردے میں چھپا کر وار کرنے پر طنز کرتے ہیں۔ لوگوں کی مفاد پرستی، عصری جبر، مسائل، منافقت کو خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔ یہ المناک صورتحال، اصل سانحے کے بعد بھی جاری رہتی ہے۔ پروفیسر گوپی چند نارنگ کہتے ہیں:

"افتخار عارف کے لاشعور میں ظلم و تعدی، بے زمینی و بے گھری، بے حرمتی و تباہی اور بربادی، نیز
منافقت، مصلحت اندیشی اور الم و اندوہ کی سچائی و اصلیّت کا سارا منظر نامہ اپنی گوناگوں استعاراتی و علامتی
کیفیات کے ساتھ اس حد تک پیوست ہے کہ ان کا پورا احساس و اظہار اس میں ڈوبا ہوا ہے۔"(۲۷)

افتخار عارف کی شاعری معاصر زندگی سے ترتیب پاتی ہے، اس کی سچائیاں، کجرویاں، مسائل، معاشرتی نظام، اور ان مسائل کا دردمند انداز میں بیان جو کئی دکھی دلوں کا مرہم بنتا ہے۔ شاہد کمال کے مطابق:

"افتخار عارف کی شاعری میں عصرِ حاضر کی سچائیاں صاف دیکھی جاسکتی ہیں۔ انہوں نے اپنی شاعری میں
زندگی کے مسائل کے حوالے سے روز بروز سامنے آنے والے معاملات کو نظم کیا ہے۔۔۔ ان کے
لفظوں سے ایک ایسا درد اُبھرتا دکھائی دیتا ہے جو عصرِ حاضر کے لیے تریاق کا کام کر سکتا ہے۔"(۲۸)

افتخار عارف کی شاعری میں تنہائی، درد اور حزن کی کیفیت پیوست نظر آتی ہے۔ ویرانی اور تنہائی کا آسیب انہیں مسلسل ڈستا رہتا ہے۔ وہ ملکی سیاسی تماشا کو دیکھتے ہیں جس میں عوام آواز، التجا اور احتجاج لیے برسرِ پیکار ہیں۔ ہمارے سیاسی نظام میں استحکام کے بجائے مزید ابتری پیدا ہوتی جارہی ہے۔ انھوں نے کمال مہارت سے سیاسی تاریخ کو شعری ڈاکومنٹری کی صورت میں پیش کیا۔

نہیں معلوم اب اِس خواب کی تعبیر کیا ہو میں نرغے میں ہوں اور جلتا ہوا گھر سامنے ہے(۲۹)

نرغے میں، جلتا گھر، سے قارئین کربلا میں سانس لینے لگتے ہیں۔ یہ اشعار دراصل ملکِ پاکستان کی سیاسی صورت کا احوال ہیں جس میں کھوکھلے جمہور اور نام نہاد سیاسی دعوؤں کی اصل کہانی ہے۔ لوگ سادگی اور معصومیت سے سیاست دانوں کی مکر فریب میں آجاتے

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

ہیں۔وہ حالات پر نالاں ہیں جو ہر بار دھوکہ کھانے کے بعد سیاستدانوں کے فریب کا شکار ہو جاتے ہیں۔ لیکن ہم پھر بھی امید کے انتظار میں ہیں۔

نہ جانے کون سی آنکھیں وہ خواب دیکھیں گی　　وہ ایک خواب کہ ہم جس کے انتظار میں ہیں
چراغ کون سے بجھنے ہیں کن کو رہنا ہے　　یہ فیصلے ابھی اَوروں کے اختیار میں ہیں (۳۰)

افتخار عارف کی شاعری میں زبان و بیان کے لحاظ سے کلاسیکی روایت کے تمام رنگوں سے لے کر جدیدیت کی قوسِ قزح بکھرتی نظر آتی ہے۔وہ شعری روایت سے فیض یاب بھی ہوئے۔بقول فیض احمد فیض:

"جدید مضامین و مطالب کی ادائیگی میں روایت کے خزینے سے یوں کسبِ فیض کیا ہے کہ تلمیح کو علامت اور علامت کو استعارے کا روپ دے کر نظم اور غزل دونوں کے لیے رمز و کنایہ کا نیا سامان کیا ہے۔۔۔ افتخار عارف نے گزارش احوال واقعی کے لیے اس ماخذ سے بہت اثر آفریں اور خیال افروز کام لیا ہے۔"(۳۱)

افتخار عارف کے ہاں معاصر گھٹن اور آشوب میں بھی احتجاج و مزاحمت ملتی ہے۔جو گھٹن زدہ معاشرے کی آواز ہے۔شاعر معاصر جبر و سکوت سے تنگ آکر اپنے ملک کو مقتل قرار دیتا ہے، جہاں ایسی صورت میں صرف دعا ہی کی جا سکتی ہے۔

یہ بستیاں ہیں کہ مقتل دُعا کیے جائیں　　دعا کے دن ہیں مسلسل دعا کیے جائیں (۳۲)

افتخار عارف کی دعا محض ذاتی حاصل و لاحاصل کی تمنا نہیں بلکہ اجتماعی غموں اور اپنے عہد کا نوحہ ہے۔شاعر خدا سے حالات کی بہتری کا طلبگار ہے۔یہ ایک مذہبی عقیدت کے ساتھ شعری و مزاحمتی استعارہ بھی ہے۔ان کا اسلوب، لفظوں کی اہمیت اور دروبست سے خوب آشنائی بھی لفظ کو حرمت بخشتا ہے۔ڈاکٹر طاہر تونسوی لکھتے ہیں:

"افتخار عارف کے ہاں لفظوں کے برتنے کا جو سلیقہ دکھائی دیتا ہے اس کی بنا پر وہ حُرمتِ لفظ کا علمبردار ہے ۔یہی وجہ ہے کہ میں نے اسے لفظوں کو معتبر کرنے والا شاعر کہا ہے۔"(۳۳)

افتخار عارف درپیش مسائل کو بھی باریک بینی سے دیکھتے ہوئے استعاروں میں درد و غم کو بیان کرتے ہیں، لیکن اُن کا لہجہ رجائی ہے۔

کہانی جب نظر آتی ہے ختم ہوتی ہوئی　　وہیں سے ایک نئی داستاں بناتے ہیں (۳۴)

افتخار عارف ایک محبِ وطن اور انسان دوست شاعر ہیں۔وہ ملکی حادثات سے نہ صرف متاثر ہوتے ہیں بلکہ ردِ عمل بھی ظاہر کرتے ہیں۔ان کے اشعار، لب و لہجہ کی انفرادیت، نیا پن، ایک مخصوص شعری مزاج و ماحول، حسی تجربوں کے بیان کے علاوہ حسیاتی تاثر، الفاظ و تراکیب، پیرایۂ اظہار سب معاصر تقاضوں سے مزین ہے۔وہ کرب کی کیفیت سے دوچار معاصر عوام کی سرد مہری پر چوٹ بھی کرتے ہیں، جنہیں اپنے حالات کی ابتری یا بہتری سے کوئی سروکار ہی نہیں۔ان کے اشعار میں کلاسیکی مزاج کی چاشنی کے

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

ساتھ ساتھ ایک خاص فنی رچاؤ، تہذیبی شائستگی و ندرت اور وقار آتا ہے۔ درد و غم سے ترتیب پاتی ہوئی شاعری نئی نسل میں سنجیدہ اور معیاری شاعری کی نمائندہ ہے جس کے اجزائے ترکیبی میں استعارۂ کربلا موجود ہے۔ انھوں نے ظلم کے نرغے میں آئی خلقت کے عذاب کو یوں بیان کیا ہے۔

نرغۂ ظلم میں دُکھ سہتی رہی خلقتِ شہر　　اہلِ دنیا نے کیے جشن بپا اور طرف (۳۵)

مذہبی استعارات و اصطلاحات ان کا خاص شعری وصف ہیں تو کہیں تلمیحات کا وسیع جہاں آباد ہے۔ افتخار عارف نے حمد، نعت، مرثیہ، منقبت، گیت وغیرہ ہر شے کو غزل کے پیکر میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ بقول مصطفیٰ علی:

"ان کی غزلوں میں مذہبی اصطلاحات بھی خوب استعمال ہوئی ہیں اور ساتھ ہی مذہبی تلمیحات اور کربلائی استعارات کا بھی غلغلہ ہے۔" (۳۶)

افتخار عارف کی شاعری میں حقیقتِ حال سے آنکھیں چار کرنے کا حوصلہ بھی نظر آتا ہے۔ اگر درد و غم اور کَرب کی لَے شاعری میں موجود بھی ہے تو اس میں بھی کوئی خود ساختہ پن نہیں بلکہ سچائی اور حقیقی احوال کی تصویر کشی ہے۔ احتجاجی و مزاحمتی لہجہ میں کہیں حزن و ملال کی کیفیت ہے تو کہیں پر اُمید لہجے کے ساتھ ساتھ ظالم کو للکار و تنبیہہ بھی ہے۔

آئے گا آئے گا وہ دن ہو کے رہے گا سب حساب　　وقت بھی انتظار میں خلق بھی انتظار میں (۳۷)

یہ عصری شکست و ریخت کی کہانی کہ جس میں بے یار و مددگار کھڑا انسان احتجاج و جذبات کی آواز ہے۔ وہ معاصر کربلا میں ڈرا سہما کھڑا ملتجی نظروں سے دیکھ رہا ہے کہ شاید کوئی میرا بھی حامی، مددگار نکل آئے یہ ظلم و جبر کے موسم میں رات کے اندھیرے میں دشمنوں کے نرغے میں کون چھوڑ گیا ہے۔

یہ کون چھوڑ گیا رات کے اندھیرے میں　　شکست کھائے ہوئے دشمنوں کے گھیرے میں (۳۸)

عصری حالات کی عکاسی اور نئے جہانوں کی تلاش انھیں بے چین رکھتی ہے۔ اب مذہب و ملت کے نام پر نئے ہتھکنڈے بنائے بت پرستی اور فتنوں کی اجارہ داری ہے، انسان پسماندگی اور زوال کی اندھی گھاٹی میں گرتے جا رہے ہیں لیکن ان کی حالتِ زار کو بہتر کرنے کے برعکس یہاں تو کسی کو احساس ہی نہیں۔ سب اپنے حال میں بدمست ہیں۔ ڈاکٹر توصیف تبسم لکھتے ہیں:

"افتخار عارف کے یہاں زندہ ماضی سے اخذ و استفادہ کی صورت بڑی ہی توانا ہے اس کے سامنے صرف ادبی روایات نہیں بلکہ اپنا تہذیبی سرمایہ ہے۔ استفادہ کی یہ صورت اس کی شاعری کے اس رخ کی تشکیل کرتی ہے جس کو اسلامی تشخص کا نام دیا جا سکتا ہے۔" (۳۹)

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

افتخار عارف نے اپنا ہی شعری نظام ترتیب دیا ہے اور کئی اشعار ضرب المثل کی حد تک مشہور ہوئے اس مقبولیت کے باوجود بھی ان کی شاعری فکر وخیال کی بلندی پر فائز رہتی ہے۔ وہ موجود استعاروں کو نئے مفاہیم دینے کے لیے تراشتے رہتے ہیں۔یہی ان کی انفرادیت و تخلیقی وصف کا مظہر ہیں۔بقول ظفر اقبال:

"اس نے بعض استعاروں کو نئے معانی دیئے ہیں وہاں نئے استعارے مدوّن بھی کیے ہیں جو اس کے تخلیقی جوہر کی سب سے بڑی گواہی کے طور پر موجود رہیں گے۔"(۴۰)

افتخار عارف نے اپنی غزل میں بے حسی اور رائیگانی کے احساس کو کفایتِ لفظی سے پیش کرتے ہوئے سہلِ ممتنع کی عمدہ مثال بنا دیتے ہیں۔ وہ اس عہدِ زیاں میں خوبصورت دل کی روشنی سے منور ہو کر اصل آگہی حاصل کرتے ہیں۔ جو تیسری دنیا کے محکوم و پسماندہ افراد، جو مادیت، صارفیت اور سرمایہ داری کے بوجھ تلے دبے ہوئے ہیں۔ یہ اُن سب مکینوں کی آواز ہے۔اُنھوں نے بین الاقوامی سیاسی قوتیں جو ھھوٗ ں سے مل کر ایسے اقدامات کرتے ہیں جن سے یہ ممالک اور عوام مزید پستی میں جا رہے ہیں۔

مرے قلم، مرے منبر، مرے عَلَم، مری تیغ ملے ہوئے ہیں ھھوٗ ں سے سب کے سب مری جان(۴۱)

یہ شعر مصلحت کوش، اہلِ قلم، اہلِ علم و منبر کی ملی بھگت، سازشوں اور غیروں سے گٹھ جوڑ کرنے کا پردہ چاک کرتا ہے۔افتخار عارف کی شاعری میں ذاتیات کے بجائے آفاقی پہلو زیادہ نمایاں ہے۔ان کی نظر ایک شخص کی اجتماعی سطح تک سفر کرتے ہوئے ان تمام استحصالی طاقتوں پر بھی رہتی ہے جو مذہب و سیاست کے پیچھے اپنے برے ہتھکنڈوں سے مقاصد حاصل کرتے ہیں۔ افتخار عارف ان تمام قوتوں کے خلاف احتجاج و مزاحمت ظاہر کرتے ہیں۔عائزہ قریشی لکھتی ہیں:

"افتخار عارف کے ہاں جذبات و احساسات کا ابھرتا ہوا تاثر اور لہجے کی بلند آہنگی بھی ملتی ہے۔ان کی شاعری انفرادی سطح سے لے کر اجتماعی حوالوں کی طرف بڑھتی ہے۔استحصالی قوتوں نے سیاست اور مذہب کے نام پر فرد کو داخلی اور خارجی شکست و ریخت سے دوچار کیا ہے۔افتخار عارف ان سماجی اور معاشرتی ناانصافیوں کے خلاف احتجاج اور مزاحمت کرتے ہیں۔"(۴۲)

یہاں اہلِ عقل و حکمت کی کوئی وقعت ہی نہیں، لوگ ڈرے سہمے ہوئے ہیں۔اس کی منظر کشی بہت کٹھن اور وحشت ناک ہے۔ جہاں یہ ساری سیاست تعمیر کے بجائے تخریبی نوعیت ہی کی رہ جاتی ہے۔

قلم زنجیر، دانش منتشر، خلقت ہراساں بیاں کس طرح ہو پائے جو حالت ہو رہی تھی(۴۳)

افتخار عارف کی غزلیہ شاعری اعلیٰ خیال و فلسفہ کا درجہ رکھتی ہے۔انھوں نے غزل میں فنی نقطۂ نظر سے ایک معتدل ادبی اور معیاری اسلوب برقرار رکھا۔ وہ تکرارِ لفظی ہو یا معنوی، بھرلے آہنگ اور بحروں میں نیا پن پایا جاتا ہے۔وہ روزمرہ الفاظ سے اپنی شاعری کو مزین کرتے ہیں اور عام مستعمل بحروں کو برمحل اور برجستہ الفاظ و تراکیب سے ترتیب دیتے ہیں، جب نظر کربلا کے علامت و استعار

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

ے پر پڑتی ہے تو اس میں بھی نئے جوہر دکھاتے ہیں۔ وہ تلمیح کو علامت اور علامت کو پھیلا کر استعارہ بنا دیتے ہیں یہی ان کا خاص جوہر ہے۔ انتظار حسین لکھتے ہیں:

> "افتخار عارف نے ہماری تاریخ کے ایسے واقعے کو آج کے تجربے کو سمجھنے کے لیے اسے مشعل راہ بنایا ہے جس سے ایک طرف مسلمانوں کے اگلے پچھلے اعمال و افعال کو سمجھنے پرکھنے کے لیے بہت سے باب کھلتے ہیں، دوسری طرف وہ ملک و ملت سے بلند ایک ابدی انسانی رزمیے کے استعارے کی حیثیت رکھتا ہے۔"(۴۴)

افتخار عارف اپنے خوابوں، مقاصد اور اقدار و روایات کے امین ہیں۔ ان کی شاعری کی بنیادیں بھی زندگی سے استوار رہتی ہیں۔ انہوں نے معاصر حالات کی تمام ضرورتوں اور تقاضوں کو ملحوظِ خاطر رکھا اور کربلا کی علامت و استعارے کو کشید کر کے نئی معنویت دی۔ معنویتوں کے احساس کو انھوں نے عہد حاضر کے مسائل سے جوڑ کر کربلا کی لفظیات سے اپنی تخلیقی ذمہ داری نبھائی۔ وہ معاصر عہد کے تمام المیوں کو دیکھتے ہوئے اہلِ بیت کو مشعلِ راہ سمجھتے ہیں جنھوں نے مصلحت کوشی کے بجائے حق کا ساتھ دیا۔ علیم صبا نویدی کے نزدیک:

> "افتخار عارف کی غزل پاکستانی غزل کی فکری اور جذباتی کائنات میں اپنے اسلوب کی ندرت اور الفاظ کی نئی معنویت اور موضوع کی سماجی و سیاسی اہمیت متعین کرنے میں پیش پیش ہے۔"(۴۵)

افتخار عارف کے غزلیہ اشعار میں اپنے مقصد کے لیے جرأتِ انکار، بہادری اور ہمت پر دلالت کرتے ہوئے اپنی جان سے زیادہ خود داری کو عزیز رکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ ظالموں کو بھی اپنی شجاعت و سرشاری سے ورطۂ حیرت میں ڈال دیتے ہیں۔ معاصر عہد میں افتخار عارف کی شاعری بارہا ردِ عمل ظاہر کرتی ہے، احتجاج کرتی اور سوال اٹھاتی ہے۔ کئی بار ان کی غزلوں میں خیمۂ عافیت کی اسیری میں بھی خلقت یہ سوال کرتی ہے کہ منزل کیوں سامنے نہیں ہے، ہم کس راستے پر نکل پڑے ہیں اور اپنے مقصد کو نئے جہانوں اور زمینوں کے پروردہ ہو کر بھول بیٹھے ہیں کہ انہیں اصل میں کیا کرنا ہے۔

خیمۂ عافیت کے طنابوں سے جکڑی ہوئی خلقت شہر جاننا چاہتی ہے کہ منزل سے کیوں راستہ مختلف ہے(۴۶)

افتخار عارف کی غزلوں میں نت نئے تجربے بھی دکھائی دیتے ہیں، کبھی بحروں سے چھیڑ چھاڑ، تو کبھی ہیئت کی تبدیلی، بسا اوقات بحر کے ارکان کی تعداد حسبِ ضرورت کم یا زیادہ بھی کر دیتے ہیں جس سے اشعار کا حسن بڑھ کر رنگ و آہنگ میں بھی تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ انھوں نے استعارے کو محض شعری ضرورت اور رواج کے تحت نہیں برتا بلکہ معاشرے کے دوہرے پن کو آشکار کیا ہے۔ ڈاکٹر انور سدید لکھتے ہیں:

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

"افتخار عارف نے بھی جب اپنے روح کی یاترا کی تو کربلا کا استعارہ ہی ان کے اظہار کا نقیب ہوا۔۔۔اس سے بعض ایسے نتائج بھی اخذ کیے جو دائمی حیثیت رکھتے ہیں۔"(۴۷)

استعارے کی یہ خصوصیت ہے کہ اس پر ایک مفہوم یا خیال کی مہر نہیں لگائی جاسکتی اور نہ ہی ایک خاص معنی کے لیے مقید کیا جاسکتا ہے۔شاعر جس فکر کو بیان کرنا چاہتا ہے، وہ قاری کے ذوقِ تسکین پر منحصر ہے کہ وہ کس حد تک استفادہ کرتا ہے یا اس کا ذہن کہاں تک پہنچ پاتا ہے۔افتخار عارف کی شاعری میں منظر نگاری، لفظیات و تراکیب کلاسیکی روایت سے جڑے رہتے ہیں لیکن اُن میں جدید زمانے کے تقاضوں کو کمال خوبصورتی کے ساتھ پیش کیا ہے اور کربلا کی تمثالیت کو وہ یوں غزل میں برتتے ہیں کہ پورا واقعہ سامنے آجاتا ہے۔

بلند ہاتھوں میں زنجیر ڈال دیتے ہیں عجیب رسم چلی ہے دُعا نہ مانگے کوئی(۴۸)

افتخار عارف کی غزلوں میں صرف جذبات و احساسات ہی کی لے تیز تر نہیں رہتی بلکہ غور و فکر کے کئی چشمے پھوٹتے ہیں۔ان کا بلند، وسیع شعری ذوق اور اپج کہیں بھی نیچے نہیں آنے پاتی۔ان کا فنِ شاعری، فکری طرزِ احساس، اپنے ملک اور اس کے حالات واقعات کے زیرِ اثر ہے لیکن مثالیں اور فلیش بیک میں کربلا کا منظر نظر آتا ہے۔بقول این میری شمل:

"افتخار عارف کے ہاں قاری کو ایک جدید پاکستانی کے احساسات کی نمائندگی انتہائی بھرپور طریقے سے ملتی ہے۔ہمارے وقت میں ہونے والے انسانیّت سوز مظالم اور خود انسانیّت کی زبوں حالی کا بیان افتخار عارف اس قدر شدید انداز میں کرتے ہیں کہ پڑھنے والا بین السطور "کربلا کی جھلک دیکھ رہا ہوتا ہے۔"(۴۹)

افتخار عارف اسلوب و اندازِ بیان، تشبیہاتی، تجریدی اور استعارتی رنگ کی بنا پر اُردو کے کامیاب شاعر ہیں۔اسی فکر کے تحت ان کی غزل معاصر منظر نامے میں فکری و فنی ضمن میں معتبر ہے۔وہ دنیا کے حاکموں سے تنگ آکر سارے جہانوں کے مالک (خدا تعالیٰ) کے سامنے فریاد کرتے ہیں اور بہتریٔ حالات کی دعا مانگتے ہیں۔شعر اپنے لہجہ اور اسلوب میں شدید طنز اور گھٹن کا عکاس، جبری دور کی یادگار ہے۔

کوئی تو پھول کھلائے دعا کے لہجے میں عجب طرح کی گھٹن ہے ہوا کے لہجے میں
نہ جانے خلقِ خدا کون سے عذاب میں ہے ہوائیں چیخ پڑیں التجا کے لہجے میں(۵۰)

"خلقِ خدا کے عذاب میں گھرے ہونے سے ہواؤں کا چیخنا" سب مزاحمت اور احتجاج کے استعارے ہیں۔لوگ ایسے گرفتارِ عذاب ہیں کہ ان کو بذاتِ خود بھی اپنی غلامی کا احساس نہیں ہے۔وہ اشاروں کنایوں اور استعاروں میں بات کرتے ہیں اور شعری فن سے پوری طرح آگاہ ہیں۔تاریخی طرزِ احساس و شعور کو جس طرح افتخار عارف شعری پیکر عطا کرتے ہیں وہ انہی کا خاصا ہے۔ان کے ہاں

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

تمام انسانیت کے لیے درد مندی کا جذبہ موجود ہے۔ انھوں نے عصری استعاروں کو احتجاج و طنز کے پیکر میں نمایاں کیا ہے۔افتخار عارف کے اشعار مختصر بحر اور کفایتِ لفظی سے بھرپور خاص قسم کی موسیقیت اور ترنم کا احساس دلاتے ہیں۔ انھوں نے نئی زمینوں میں طبع آزمائی کی ہے جن میں ان کے معاصرین کی غزلیں کم ہی ملتی ہیں۔ انہوں نے اجتہاد اور شعوری فکر کے ذریعے غزل کو نئی معنویت عطا کی ہے۔ ان کی علامات و استعارے بھی جدت و روایت کا حسین سنگم ہیں۔ افتخار عارف کی شاعری اجتماعی بحران کا نتیجہ دکھائی دیتی ہے۔ وہ مایوسی، افسردگی، ماحول پر جبر، گھٹن، فکری بے عملی، بے حسی اور بے رُخی کے دور میں بھی صرف اثبات کا پرچار کرتے ہیں۔ معتدل انداز میں اپنا کردار ادا کرتے ہوئے غزل میں مرثیے کی سی غم انگیز کیفیت شامل کر دی ہے ۔غزل ان کی شعری فکر کا نچوڑ کہی جاسکتی ہے۔ یہ استعارہ تو ان کا امتیازی شعری وصف ہے، لیکن لفظیات و علامات میں نئی جہات ملتی ہیں۔ افتخار عارف کی غزل میں ایسے مضامین و واقعات ہیں جو خاص عہد یا خطے تک محدود نہیں بلکہ دنیا کے کسی بھی کونے اور مسلک کے مجبور و بے بس انسان کی نمائندگی کرتے ہیں۔ یہ ان کی بڑی فنی کامیابی ہے۔ کربلا خاص طور پر مسلم اُمہ کی تاریخ کا ایک ایسا مضبوط اور مکمل واقعہ ہے کہ کسی بھی مشکل وقت یا اندوہناکی میں ہماری ڈھال بن جاتا ہے بلکہ یہ پوری اسلامی تہذیب اور اس کی معنویت کا مظہر بھی ہے۔ جو ہمیں روحانی اقدار کی نشوونما کے ساتھ ساتھ معاصر زندگی میں بھی آگے بڑھنے کا حوصلہ عطا کرتی ہے۔ اصغر ندیم سید لکھتے ہیں:

> "افتخار عارف کے ہاں زندگی ایک لمحے، ایک اپج پر مسلسل مبازرت اور معرکے کی جدلیات سے گزرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ ایک ہی واقعہ ہے جس کی مختلف شکلیں اور جہتیں شاعر کو انسانی آدرش کے متوازی حرکت کرنے والی محکم دستاویزات کی جانب متوجہ کرتی ہیں۔"(۵۱)

افتخار عارف ماضی کے نہاں خانوں میں جھانک کر مخصوص تراکیب و استعاروں سے نئے معنی کشید کر لیتے ہیں جو گھٹن زدہ ماحول میں بھی حوصلہ فراہم کرتے ہیں۔ یہ ہماری تہذیبی زندگی کا ایسا استعارہ ہے جس سے ساری تہذیب و ثقافت تابناک ہے۔ ڈاکٹر نعمان الحق کے مطابق:

> "افتخار عارف کی شعریات میں تلمیح، علامت اور استعاروں کی ایک زنجیر بنتی ہے اور جب یہ زنجیر چھنکتی ہے تو اس سے رموز اور کنایوں کے نئے نغمے پھوٹتے ہیں۔ ان کے ہاں ایک وفور ہے تلمیحات کا، ان تلمیحات کا تعلق امور واقعہ سے ہے لیکن وہ تاریخ کے حصار سے نکل کر استعارے بن گئے ہیں۔"(۵۲)

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

یہ استعارہ عصری، ثقافتی، تہذیبی، انسانی، سماجی اور سیاسی مسائل کی عقدہ کشائی کے ساتھ ساتھ ان حالات میں بہتری کا راستہ بھی دکھاتا ہے۔ اور وہ مینارۂ عرفان و معرفت ہے کہ جس سے ہماری انفرادی واجتماعی زندگی کے خدوخال نمایاں ہیں۔ یہ استعارہ سانحۂ کربلا کے المیاتی تناظر میں زندہ رہنے اور زندگی کو اجالنے کے لیے ایسے رویوں کو جنم دیتا ہے، جو خود تہذیبی زندگی کی دلیل ہیں۔

یہ بھی کب تک کہ ہر آفت کا سبب ہے کوئی اور　منزلیں خود بھی تو گم کرتی ہیں رستہ اپنا(۵۳)

یہ شعر معنی خیز اور ملکِ پاکستان میں سیاسی، اخلاقی اور سماجی اقدار کا نوحہ ہے۔ مذہب، تہذیب، سیاست اور اقتدار کے نام پر جو کھیل اتنا عرصہ کھیلا جارہا ہے شاعر اس کا خاتمہ چاہتا ہے۔ افتخار عارف کا عہد، جبر، گھٹن، احتیاج و مصلحت کا گہرا عہد ہے، جہاں ہر طرف مایوسی، گھٹن اور درد و کرب اور آشوب کے ڈیرے ہی رہے ہیں۔ ایسے میں حساس اور درد مند دل رکھنے والے شخص کے دل و دماغ میں کئی تاویلیں، سوچ بچار اور حل کے لیے دلیلیں ملتی ہیں۔ وہ اپنی ہی پہچان اور اقدار کو عزیز رکھتے ہیں۔ افتخار عارف کئی لحاظ سے اپنے ہم عصروں سے مختلف اور امتیازی شاعر ہیں، ایک تو ان کا خلوص و درد مندی ہے جو ہر شاعر کے لیے ضروری ہے۔ وہ دوسروں کے کرب اور رشتوں کے رویوں سے متاثر ہوتے ہیں۔ خرابیٔ حالات پر وہ احتجاج و طنز بھی کرتے ہیں تو کوئی باغیانہ لہجہ یا غضبناکی ظاہر نہیں ہوتی بلکہ ایک طرح کی ہلکی ہلکی آنچ اور درد و رنج کی لہریں، اس کے شانہ بشانہ چلتی ہیں جس میں اپنوں سے درد مندی اور وطن سے خلوص کا جذبہ غالب رہتا ہے۔

کربلا افتخار عارف کے لیے محض ایک مذہبی یا تاریخی سانحہ نہیں رہ جاتا بلکہ جبر کے خلاف ایسا معرکہ ہے جو شہیدانِ کربلا نے اپنے خون سے سینچا ہے، یہ انکار کی علامت بن کر ہمیشہ زندہ رہے گا۔ افتخار کے لیے کربلا کسی خاص گروہ یا طبقے کے بجائے ہمہ گیریت و وسعت کا عکاس ہے۔ ڈاکٹر زینت افشاں لکھتی ہیں:

"افتخار عارف کے ہاں "کربلا" صرف مخصوص رجحان کی نمائندگی نہیں کرتا بلکہ اس میں بہت ہمہ گیری اور کشادگی ہے، جو ان کی وسعت نظری کا ثبوت ہے۔"(۵۴)

افتخار عارف کی غزلوں میں ایک واضح اور منفرد اسلوب و ڈکشن ملتا ہے۔ وہ اپنا ایک لفظیاتی و صوتی نظام وضع کرتے ہیں جس کے تحت تمام شعری فضا ترتیب پاتی ہے۔ وہ اسلوب کی سحر کاری، تراکیب استعارات کی مرصع کاری اور سادہ و شفاف طریقے سے قاری کو بھی متاثر کرتے ہیں۔ غزلیات کی بحروں کے انتخاب میں بھی وہ خاصے تنوع پسند واقع ہوئے ہیں۔ ان کی غزلوں میں مختصر اور طویل بحریں بھی دیکھی جاسکتی ہیں۔ وہ قافیہ وردیف کا بھی پورا شعری نظام ترتیب دیتے ہیں۔ ان کے مصرعوں میں روانی و تسلسل ہے۔ وہ صوتیت اور تکرارِ لفظی ہی سے ترنم کی لے بھی پیدا کرتے ہیں۔ ناصر عباس نیر لکھتے ہیں:

"سادہ، چیدہ، مختصر مگر انوکھی شعری زبان میں خم دار باتیں کہنا، افتخار عارف کی شاعری کا عمومی شیوہ ہے۔"(۵۵)

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

اظہارِ خیال میں بھی ندرتِ الفاظ سے کام لیتے ہوئے واقعہ کربلا کی معنویت کو نہ صرف از سرِ نو دریافت کرنے کی سعی کرتے ہیں بلکہ وہ غزل میں بھرپور انداز میں اسے برتتے ہیں۔ یہ استعارہ انہیں معاصر حالات میں حق اور سچ کی پہچان میں مدد دیتا ہے، وہیں ظلم کے کسی بھی حربے کے مقابل بیعت سے انکار کی جرأت بھی فراہم کرتا ہے، یوں وہ کربلا کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے یزیدِ وقت کے خلاف علمِ بغاوت بلند کرتے ہیں۔

اب کوئی آئے کہ نہ آئے، کوئی صف آرا ہو کہ نہ ہو　　میرا کام اذاں دینا تھا، یارو میں نے اذاں دے دی

میزان و تیغ و خلعت و منصب مزے میں ہیں　　پسپا کبھی ہوئے تھے مگر اب مزے میں ہیں (۵۶)

افتخار عارف غزل میں کبھی بھی جذبہ اور فکر کو الگ نہیں کرتے۔ وہ موضوعات کو ہمہ گیریت کے سبب آفاقی سطح تک پہنچا دیتے ہیں۔ اور اپنے ذاتی دکھوں کے ساتھ انفرادی و اجتماعی درد کو اس طرح مدغم کرتے ہیں کہ پورے معاشرے کا کرب بن جاتا ہے۔ ان کی غزلوں میں موجودہ عہد کی عکاسی ملتی ہے، جن سے آج کا انسان دوچار ہے۔ موجودہ صورتحال کی مشکلات میں ماضی انھیں سائبان فراہم کرتا ہے اور وہ اس کی پناہ میں عافیت پاتے ہیں بلکہ اس کی بازیافت سے نیا حوصلہ، ہمت اور ولولہ کشید کرتے ہیں۔ بقول ڈاکٹر وسیم بیگم:

"ملک و معاشرے میں ہونے والے ظلم و ستم کے خلاف انھوں نے جو استعاراتی اور علامتی پیکر اپنایا ہے وہ ان کو دوسرے شعراء کے مقابلے میں امتیازی شان عطا کرتا ہے۔" (۵۷)

افتخار عارف کی غزلوں کا تجزیہ کیا جائے تو کربلا ان کا کلیدی شعری استعارہ ہے جس کے گرد اُن کے باقی تمام موضوعات ترتیب پاتے ہیں۔ کئی غزلیں ایسی ہیں جن کے الفاظ، علامات اور استعارے کربلا سے اخذ شدہ ہیں۔ کربلا کے واضح اشارے، لفاظی یا واقعات کے استعمال سے معاصر درد و آشوب کو منعکس کر جاتے ہیں اور کہیں وہ کربلا سے بالواسطہ اثر قبول کرتے ہیں۔ افتخار عارف کی غزلوں میں سادگی، سلاست اور ایک مٹھاس برابر قائم رہتی ہے، ان کا لب و لہجہ اور اسلوب ایسا ہے کہ کبھی بھی اکتاہٹ یا بوجھل پن کا احساس نہیں ہوتا۔ تراکیب سازی، علامات و استعارات ان کی خاص پہچان ہیں۔ انہوں نے پاکستانی غزل میں کربلا کے استعارہ کو اس طرح پیوست کیا کہ انہی سے منسوب ہو کر رہ گیا اور کربلا کا یہ استعارہ ان کے لیے مینارۂ نور ہے۔

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

حوالہ جات:

۱۔ لُطف الرحمن، ڈاکٹر، پروفیسر، جدیدیت کی جمالیات، ناگاؤں۔ بھیونڈی (تھانہ): صائمہ پبلی کیشنز، ۱۹۹۳ء، ص ۱۳۱

۲۔ نجمہ رحمانی، ڈاکٹر، جدید غزل کی علامتیں، نئی دہلی: ایم۔ آر پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء، ص ۱۷۶۔۱۷۷

۳۔ افتخار عارف، مہرِ دو نیم، اسلام آباد: پورب اکادمی، ۲۰۱۳ء، ص، ۱۳۳

۴۔ فیض احمد فیض، "جدید اردو ادب کا معتبر نام"، مشمولہ:۔ شیما مجید (مرتّبہ)، جوازِ افتخار (افتخار عارف، فن و شخصیت)، لاہور: عبارات، ۲۰۰۰ء، ص ۲۷

۵۔ افتخار عارف، مہرِ دو نیم، ص ۴۷

۶۔ انیس اشفاق، "وہ حرف کیا کہ رقم ہو تو روشنی بھی نہ ہو" (افتخار عارف کی غزل)، مشمولہ:۔ باغِ گلِ سرخ، افتخار عارف، کراچی: مکتبۂ دانیال، ۲۰۲۱ء، ص ۲۸

۷۔ افتخار عارف، مہرِ دو نیم، ص ۳۸

۸۔ ایضاً، ص ۴۳

۹۔ ایضاً، ص ۱۷۳

۱۰۔ افتخار عارف، جہلِ معلوم، اسلام آباد: پورب اکادمی، اکتوبر ۲۰۱۳ء، ص ۹۸

۱۱۔ افتخار عارف، مہرِ دو نیم، ص ۴۶

۱۲۔ ایضاً، ص ۴۶

۱۳۔ ایضاً، ص ۴۲

۱۴۔ فتح محمد ملک، "افتخار عارف کا کارنامۂ خاص"، مشمولہ:۔ شیما مجید (مرتّبہ)، جوازِ افتخار (افتخار عارف، فن و شخصیت)، ص ۱۶۴۔۱۶۵

۱۵۔ افتخار عارف، مہرِ دو نیم، ص ۵۶

۱۶۔ ایضاً، ص ۷۵

۱۷۔ افتخار عارف، مہرِ دو نیم، ص ۹۶

۱۸۔ شیما مجید (مرتّبہ)، "حرفِ تقدُّم"، جوازِ افتخار (افتخار عارف، فن و شخصیت)

۱۹۔ افتخار عارف، مہرِ دو نیم، ص ۱۷۲

۲۰۔ افتخار عارف، حرفِ باریاب، اسلام آباد: پورب اکادمی، ۲۰۱۳ء، ص ۹۔۱۰

۲۱۔ مبین مرزا، "سیاحتِ دل و دنیا" (دیباچہ)، مشمولہ:۔ کتبِ دل و دنیا، افتخار عارف، کراچی: مکتبۂ دانیال، ۲۰۱۲ء، ص ۳۶

۲۲۔ احمد ندیم قاسمی، "افتخار عارف کا مجموعۂ کلام 'حرفِ باریاب'"، مشمولہ:۔ شیما مجید (مرتّبہ)، جوازِ افتخار (افتخار عارف، فن و شخصیت)، ص ۳۶

۲۳۔ افتخار عارف، حرفِ باریاب، ص ۱۷۔۱۸

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

۲۴۔ ایضاً، ص ۲۰

۲۵۔ افتخار عارف، حرفِ باریاب، ص ۳۴

۲۶۔ عبدالعزیز ساحر، افتخار عارف: شخصیت اور فن (پاکستانی ادب کے معمار)، اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۰۹ء، ص ۴۷

۲۷۔ گوپی چند نارنگ، پروفیسر، سانحہ کربلا بطور شعری استعارہ، اردو شاعری کا ایک تخلیقی رجحان، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، س ن، ص ۸۴۔۸۵

۲۸۔ شاہد کمال، کراچی میں اُردو غزل اور نظم، کراچی: طارق پبلی کیشنز، ۱۹۹۹ء، ص ۱۴۷

۲۹۔ افتخار عارف، حرفِ باریاب، ص ۴۳

۳۰۔ ایضاً، ص ۴۶

۳۱۔ فیض احمد فیض، "جدید اردو ادب کا معتبر نام"، مشمولہ:۔ شیما مجید (مرتّبہ)، جوازِ افتخار (افتخار عارف، فن و شخصیت)، ص ۲۴

۳۲۔ افتخار عارف، جہانِ معلوم، اسلام آباد: پورب اکادمی، اکتوبر ۲۰۱۳ء، ص ۳۴

۳۳۔ طاہر تونسوی، ڈاکٹر، "لفظوں کو معتبر کرنے والا شاعر۔۔۔ افتخار عارف"، مشمولہ:۔ شیما مجید (مرتّبہ)، جوازِ افتخار (افتخار عارف، فن و شخصیت)، ص ۲۴۴

۳۴۔ افتخار عارف، جہانِ معلوم، ص ۳۷

۳۵۔ ایضاً، ص ۸۰

۳۶. https://adbimiras.com/iftekhar-arif-ka-jahan-e-ghazal-by-mustafa- ali/, 2October, 2022.2:35 Pm.

۳۷۔ افتخار عارف، جہانِ معلوم، ص ۹۲

۳۸۔ ایضاً، ص ۱۴۹

۳۹۔ توصیف تبسم، ڈاکٹر، "حرفِ باریاب ایک مطالعہ"، مشمولہ:۔ شیما مجید (مرتّبہ)، جوازِ افتخار (افتخار عارف، فن و شخصیت)، ص ۲۹۴

۴۰۔ ظفر اقبال، "افتخار عارف"، مشمولہ:۔ شیما مجید (مرتّبہ)، جوازِ افتخار (افتخار عارف، فن و شخصیت)، ص ۱۷۰

۴۱۔ افتخار عارف، باغِ گلِ سرخ، کراچی: مکتبۂ دانیال، ۲۰۲۱ء، ص ۸۴

۴۲۔ عائذہ قریشی، عہد ساز شاعر افتخار عارف، لاہور: الفیصل ناشران و تاجران کتب، اگست ۲۰۰۳ء، ص ۴۸

۴۳۔ افتخار عارف، باغِ گلِ سرخ، ص ۱۱۳

۴۴۔ انتظار حسین، "مہرِ دونیم" پر ایک نظر"، مشمولہ:۔ شیما مجید (مرتّبہ)، جوازِ افتخار (افتخار عارف، فن و شخصیت)، ص ۱۲۶

۴۵۔ علیم صبا نویدی، پاکستان میں اردو شاعری، چنائی: ٹمل ناڈو اردو پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء، ص ۸۰

۴۶۔ افتخار عارف، مہرِ دونیم، ص ۴۲

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

۴۷۔ انور سدید، "افتخار عارف کی شاعری"، مشمولہ:۔ شیما مجید (مرتبہ)، جوازِ افتخار (افتخار عارف، فن و شخصیت)، ص ۲۳۱

۴۸۔ افتخار عارف، مہرِ دو نیم، ص ۷۶

۴۹۔ این میری شمل، "اردو ادب کا سرمایہ"، مشمولہ:۔ شیما مجید (مرتبہ)، جوازِ افتخار (افتخار عارف، فن و شخصیت)، ص ۶۶

۵۰۔ افتخار عارف، مہرِ دو نیم، ص ۱۲۲

۵۱۔ اصغر ندیم، سید، "ایک شاعر کا آدھا سورج"، مشمولہ:۔ شیما مجید (مرتبہ)، جوازِ افتخار (افتخار عارف، فن و شخصیت)، ص ۲۷۰۔۲۷۱

۵۲۔ نعمان الحق، ڈاکٹر، "پسِ گردِ جادۂ درد"، مشمولہ:۔ سخنِ فتخار (کلیاتِ افتخار عارف)، افتخار عارف، کراچی: مکتبۂ دانیال، ۲۰۲۲ء، ص ۳۴

۵۳۔ افتخار عارف، مہرِ دو نیم، ص ۱۲۷

۵۴۔ زینت افشاں، ڈاکٹر، "افتخار عارف کی مزاحمتی شاعری"، مشمولہ:۔ الحمد (تحقیقی و تنقیدی مجلہ) شمارہ ۱۴، جولائی تا دسمبر ۲۰۲۰ء، اسلام آباد: الحمد اسلامک یونیورسٹی، ص ۱۷۲

۵۵۔ ناصر عباس نیر، "تہذیبی علامتوں کے بے خانماں ہونے کا قصہ: افتخار عارف کی شاعری پر ایک نوٹ"، مشمولہ:۔ سخنِ فتخار (کلیاتِ افتخار عارف)، افتخار عارف، کراچی: مکتبۂ دانیال، ۲۰۲۲ء، ص ۲۷

۵۶۔ افتخار عارف، باغ گل سرخ، ص ۱۰۶، ۱۰۷

۵۷۔ وسیم بیگم، ڈاکٹر، آزادی کے بعد اردو غزل تہذیبی مضمرات، ادبی تحریکات اور اہم شعرا، دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۰۹ء، ص ۵۲۸